

# عادلانہ جنگ

## اسلام میں جنگ کا تصور

محمود شیتہ خطاب

ترجمہ: عبدالرحمن طاہر سورتی

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ  
يُقَاتِلُونَكُمْ (البقرة: ۱۹۰)

اور تم اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو  
جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔

اسلام کے نظریے جنگ کے معنی | اسلامی جنگ سے مراد ایسی لڑائی ہے جو دعوت اسلام کی  
نشر و اشاعت کی آزادی کی ضمانت حاصل کرنے اور امن کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے دشمن سے لڑی  
جائے۔ اس جنگ میں شرافت، بلند اخلاق، اولوالعزمی اور جو احمدی و بہادری کی عنایاں

لے یہ "جنگ عادلہ" کا ترجمہ ہے۔ حرب یعنی جنگ سے مراد تمام ایسے مقابلے اور تصادم ہیں جو دریا دوسے  
زائد حکومتوں کی اسلحہ بند قوتوں کے درمیان واقع ہوں اور ان میں سے ایک یا فریقین باہمی امن و سلامتی  
اور صلح و اشتی کے تعلقات ختم کرنے کے خواہاں ہوں۔

حرب عادلہ: حرب عادلہ ایسی جنگ کو کہتے ہیں جو کسی قوم کی طرف سے ایسی ظالم قوم کے خلاف  
لڑی جائے جو ظلم پر مصر ہو۔ اور اس جنگ میں یہ ضروری شرط ہے کہ انسانیت کے بنیادی اصول و قواعد کا  
محافظ رکھا جائے۔ اور اس کی تہہ میں دائمی امن و سلامتی قائم کرنے کا مقصد کار فرما ہو۔ نیز اس میں یہ بھی ضروری  
ہے کہ بے گناہوں کی جان و مال کا احترام کیا جائے۔ بیغمال اور قیدیوں کا چھاسلوک کیا جائے۔

غیر عادلانہ جنگ: یہ ایسی جنگ ہوتی ہے جس کے لئے کوئی مبنی پر عدل و حق جواز نہ ہو۔  
مثلاً کسی حکومت کا دوسری حکومت کے کچھ علاقہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے یا اسے اپنے تابع فرمان بنانے کے  
لئے جنگ کرنا وغیرہ۔

جنگ کے اصول ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

اسلام میں جنگ کے اجازت کے لیے؟ ہجرت سے قبل مسلمانوں پر جنگ حرام تھی، لیکن جب قریش کی دشمنی حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو ان کے وطن سے نکال دیا۔ ان کے مال و جائیداد سے انہیں محروم کر دیا اور مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں پناہ گیر ہو گئے، تب پہلی مرتبہ جنگ کی اجازت دینے کے لیے یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں :-

اذن للذین یقاتلون یا نہم مظلوما  
وان اللہ علی نصر ہم لقد بصرہ الذین  
اخرجوا من ديارهم لیبغی حقا الا ان  
یقولوا ربنا اللہ۔

جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں اس بنا پر جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کہ ان پر ظلم ہوا ہے، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مظلوم وہ ہیں جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ

کہتے ہیں "ہمارا رب اللہ ہے" (الحج: ۳۹-۴۰)

ابھی آپ کو مدینہ پہنچے ہوئے بارہ ماہ بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ماہ صفر کے اوائل میں آپ کو جنگ کی عرض سے مدینہ سے باہر نکلنا پڑا اور اس طرح عملاً اسلام میں جنگ کا آغاز ہو گیا۔

### اسلام میں جنگ کے مقاصد

۱۔ آزادیء نشر و دعوتی اسلام کے حمایتیے | اسلام میں جنگ کے مقاصد میں صرف یہی نہیں ہے کہ دعوتِ اسلام کی نشر و اشاعت کی جائے بلکہ مقصد اس کی نشر و اشاعت کے لئے آزادی کی حمایت و مدافعت ہے، کیونکہ بزورِ جبر و دعوتِ اسلام کی نشر و اشاعت کے معنی "اکراہ" ہوں گے جو اسلام میں منع ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لے غازیانہ جنگ سے مراد ایسی جنگ ہے جس میں جنگجو فریق انسانی شرف کے منافی کوئی حرکت (یا کارروائی) نہ کرے۔ فوجی اعزاز کا تقاضا یہ ہے کہ طے شدہ عہد و پیمان کی پوری پابندی اور احترام ملحوظ رہے۔ ایسے ہتھیاروں کا استعمال حرام قرار دیا جائے جن کا استعمال شرفِ انسانیت کے لئے باعثِ شگ و عار ہو۔ کسی قسم کی خیانت یا فریب کو کام میں نہ لایا جائے۔ ایسی جنگ میں زخمیوں سے ہمدردی، بیماروں کی پوری دیکھ بھال، نازک حال زخمیوں کو جان سے نہ مار ڈالنا، لڑائی میں شرکت نہ کرنے والوں اور امن پسند باشندوں سے تعرض نہ کرنا ضروری شرائط ہیں لے آپ ہجرت کر کے ۱۲ ربیع الاول بروز پیر دوپہر کو قبا پہنچے تھے۔

لا اكرهه في الدين قد تبين  
الرشد من الغي -  
دین میں کسی مٹم کا جبر و اکراہ نہیں۔ صحیح راہ غلط راہ سے  
کھل کر واضح ہو چکی ہے۔ (البقرہ: ۲۵۶)

اسلام میں جنگ کا مقصد آزادی عقیدہ کی حمایت، لوگوں میں عقیدہ کی آزادانہ اشاعت کی  
ضمانت نیز اسلامی مملکت کی خارجی حملہ آوروں سے مدافعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-  
وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم اور راہ خدا میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے  
ولا تعدوا ان الله لا يحب المعتدين۔ جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بے شک اللہ حد  
سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (البقرہ: ۱۹۰)

اسلام میں جنگ مدافعت ہے۔ مسلمان کسی پر بھی حملہ کرنے میں ابتدا نہیں کریں گے، وہ جنگ اسی وقت  
کریں گے جب انہیں لڑائی پر مجبور کر دیا جائے گا۔ ان کی نظر میں جنگ ایک معزز و مقدس مقابلہ کا نام  
ہے جس میں جنگ لڑنے والوں کے لئے شرافت و عالی ظرفی اور تقدس کے منافی اعمال روا نہیں۔ شرافت و  
عالی ظرفی کے ضروری عناصر یہ ہیں: عہد و پیمان کا احترام، خیانت سے اجتناب، مرخصیوں، زخمیوں اور  
قیدیوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کا تسلی بخش انتظام صلح پسند اور جنگ میں حصہ نہ لینے والے بچوں عورتوں  
اور بوڑھوں سے تعرض نہ کرنا۔

۲۔ امن و سلامتی کے بنیادوں کو مستحکم کرنا | مضبوط فوج کے بغیر قوم تباہی کا نشانہ ہوتی ہے۔  
اس لئے کہ ایسی صورت میں اس کے دشمن اس کی قوت سے بے خوف ہو کر اسے ہڑپ کر لینے کی سوچتے ہیں لیکن  
جب اس کی فوجی قوت مضبوط ہوتی ہے تو دشمن اس کے ارادہ کا احترام کرتے ہیں اور انہیں اس پر ظلم و  
زیادتی کا منصوبہ بنانے کا موقع نہیں ملتا۔ نتیجہً امن و سلامتی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

واعدوا لهم ما استطعتم من  
قوة ومن رباط الخيل ترهبون به  
عدوا الله وعدوكم وآخرين من  
دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم وما  
تنفقوا من شيء في سبيل الله يوف اليكم  
وانتم لا تظلمون۔  
اور (مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے ہر مٹم کی قوت  
اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی دستے تیار رکھو تاکہ  
اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنی  
دھاک بٹھائے رکھو نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن  
کی تمہیں خیر نہیں۔ اللہ انہیں جانتا ہے اور (یاد رکھو) اللہ کی  
راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا مل جائے  
گا۔ اور تمہاری حق تلفی نہیں ہوگی۔

وان جنموا للسلام فاجنح

اور ردیکھو) اگر دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو چاہیے  
کہ تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ۔

لہا۔ (الانفال: ۶۱: ۶۲)

ياايهاالذيين آمنوا ادخلوا في السلم

لے ایمان والو! تم سب کے سب (دائرہ امن و) سلامتی  
راور صلح فرمانبرداری) میں داخل ہو جاؤ۔

كافةً لے (البقرہ: ۲۰۸)

لے اس امر کا سب سے پہلا اور بنیادی ثبوت یہ ہے کہ لفظ "اسلام" اسی مادہ سے ہے جس سے سلم، سلام اور سلامتی ہے۔ اسلام کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ (اللہ کے بتائے ہوئے) حق اور خیر کے نظام کے لئے جسم و قلب اور روح کو عاجزانہ جھکا دیا جائے۔

خود قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں "السلام" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

هو الله الذي لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن (الحشر: ۲۴)

جب مسلمان باہم گرہ لگاتے ہیں تو ایک دوسرے کو "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کی دعا دیتے ہیں یعنی تمہارے اوپر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ نماز میں ہر مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں "السلام علیک ایھا النبی" ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کا تحفہ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح نماز ہی میں مسلمان اپنے جملہ حق پسند اور خیر پر کار بند بھائیوں کے لئے "السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین" کہتا ہے۔ اسی طرح جب مسلمان اپنی نماز ختم کرتا ہے تو دائیں بائیں متوجہ ہو کر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہتا ہے۔ پھر نماز کے بعد آنحضرت سے جو ذکر مروی ہے اس میں بھی "السلام ومنتک السلام" ہے۔

مکہ شریف میں مسجد حرام کے ایک دروازہ کا نام اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کا نام "باب السلام" ہے۔ خود جنت جو خدا کے اطاعت کش بندوں کا آخری مرکز ہے بموجب آیت کریمہ "لهم دار السلام عند ربهم وهو وليهم بما كانوا يعملون" (الانعام: ۱۲۷) دار السلام ہے۔ اسی طرح روز قیامت جب مومنین کو اللہ کا دیدار ہوگا تو اس دن بھی ان کی زبان پر سلام ہی کا ورد ہوگا۔

تختہم یوم یلقونہ سلام (الاحزاب: ۳۴)

الغرض جو بھی قرآن مجید کی آیات کا بغور مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ لفظ سلم اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں ۱۳۳ سے زیادہ آیات میں استعمال ہوئے ہیں، جبکہ اس کے ہم پڑ (باقی لگے صفحہ پر)

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام میں امن و سلامتی عام کرنا دین میں شامل ہے لیکن کیا دوسرے لوگ بھی چاہتے ہیں .....! ۹۹

## اسلام کی نظر میں جنگ کی قسمیں

۱۔ مسلمانوں کے مسلمانوں سے جنگ | اس قسم کی جنگ اسلامی ریاست کے داخلی امور میں سے ایک مسئلہ ہے۔ قرآن مجید نے ایسی صورت میں جبکہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں قانون شکنی کی حد تک باہمی کشیدگی بڑھ جائے یا حاکم و رعایا کے درمیان سرکشی اور بغاوت کی نوبت آجائے، ایسا قانون وضع کیا ہے جس سے امت کی وحدت و سالمیت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حکومت کا رعب و اقتدار بھی باقی رہے اور ظلم و بغاوت کے فتنہ سے تمام اسلامی معاشرہ بھی محفوظ رہے، وہ قانون یہ ہے :-

وان طأقتان من المؤمنین اقتتلوا  
فصلحوا بینہما فان بغت احدہما  
علی الاخری فقاتلوا الی بتغی حتی تغیر

اگر مومنوں کی دو جماعتوں میں جنگ ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسری پر تجاوز کرے تو تجاوز کرنے والی جماعت سے اس وقت

﴿۱۰﴾ بالمقابل لفظ حرب (جنگ) صرف چھ آیات میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر ہم پورے وثوق اور قوت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے عام مقاصد میں امن و سلامتی کو بنیادی اور عمومی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ قرآن مجید صراحت سے بتاتا ہے کہ اسلام کی پیروی کا جو متوقع نتیجہ و ثمرہ ہے وہ سلامتی کی راہوں اور نور تک پہنچنا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

قد جاءكم من الله نور و کتاب مبین  
یهدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبیل السلام  
و یخرجہم من الظلمات الی النور بآذنه و  
یہدیہم الی صراط مستقیم ۵

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو، جو اس کی رضا کی اتباع کرتے ہیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے انہیں اپنے فرمان اجازت کے ذریعہ تاریکیوں سے نکال کر نوری طرف لے آتا ہے اور انہیں سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ (المائدہ: ۵ : ۱۸)

یہ ہے اسلام کی نظر میں امن و سلامتی کا مقام، ذرا قیاس کیجئے اس پر سلامتی کا جھوٹا ڈھونگ بچانے والے مدعیان امن و سلامتی کے بلند بانگ دعوؤں کا ۹!

الامر اللہ فان و ناعت فاصحوا بینہما تک لڑائی کرو کہ وہ اللہ کے حکم پر چلے آئے، پھر اگر وہ رجوع  
 بالعدل و اتسطوا ان اللہ یحب کرے تو عدل سے ان کے درمیان صلح کراؤ اور انصاف کرو  
 المقسطین ۱۰ انما المؤمنون اخوة بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مومن تو بھائی بھائی  
 فاصحوا بین احویکم و اتقوا اللہ لعنکم ہیں لہذا تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ  
 ترحمون۔ (الحجرات: ۱۰)

یہ آیت مومنوں کی دو پارٹیوں میں ایسے اختلافات کو تسلیم کر رہی ہے جو پر امن ذرائع سے طے نہ  
 ہو سکتا ہو اور فریقین کو لے کر حل کرنے کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ جائے۔ یہ آیت اسلامی حکومت  
 پر فرض عائد کرتی ہے کہ وہ فریقین کے باہمی اختلافات اور کشیدگی کے وجوہ معلوم کرے اور ان کے درمیان صلح  
 و صفائی کی امکانی کوشش کرے۔ اگر باہمی بات چیت اور تبادلہ خیالات سے اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے،  
 حقوق داروں کو مل جائیں، بغاوت فرو اور امن بحال ہو جائے تو خدا کا شکر بجالانا چاہیے جس نے  
 مومنوں کو باہمی جنگ سے بچالیا، لیکن اگر ایک فریق دوسرے کے حقوق دینے پر رضامند نہ ہو اور سرکشی و بغاوت  
 میں بڑھتا ہی چلا جائے حق اور مومنوں کے فیصلہ کو نہ ماننے پر مہر رہے تو وہ اس (سرکشی کی) بنا پر باغی قرار دے  
 دیا جائے گا، اور جملہ مسلمانوں پر فرض ہو جائے گا کہ اس وقت تک اس باغی فریق سے برسرِ پیکار رہیں تا وقتیکہ  
 وہ حق کے سامنے جھک جائے۔

اس قانون کی غرض و نایت افتراق امت کا سدباب اور امت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ ہے اس  
 طرح یہ جنگ امن و سلامتی کا ذریعہ اور ظلم و بغاوت کے استیصال کی موجب ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے غیر مسلموں سے جنگ | مسلمانوں کی غیر مسلموں سے جنگ کا قانون اس لئے بنایا  
 گیا کہ ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو جائے، آزادی دین اور اس کی نشر و اشاعت کی حفاظت و حمایت کی جائے۔ قرآن  
 مجید نے جنگ کا قانون وضع کرنے میں کوئی ایسی شق نہیں رکھی جس سے طبع، خود غرضی، شخصی یا قومی برتری  
 اور کمزوریوں پر بجز حکومت کا موقع فراہم ہوتا ہو۔ قانون جنگ سے اس کا تمام تر مقصد یہ ہے کہ امن  
 و سلامتی اور نظم و طمانیت عام ہو اور انسانی زندگی عدل و انصاف کے میزان پر برقرار رہے۔

اسلامی ریاست میں محکوم غیر مسلموں سے جو جزیہ وصول کیا جاتا ہے وہ نہ تو ان کے خون کا معاوضہ  
 ہوتا ہے نہ عقیدہ کا۔ وہ تو مغلوب غیر مسلمین کی املاک، عقائد، آبرو، عزت نفس کی حفاظت کرنے اور

انہیں مسلمانوں کے برابر شہری حقوق دلانے کا معاوضہ ہوتا ہے، وہ تمام معاہدے جو مسلمانوں اور اسلامی علاقوں کی مغلوب غیر مسلم رعایا کے درمیان ہوئے ہمارے اس بیان کی تائید کرتے ہیں کہ یہ جزیہ ان کے عقائد اور اموال کی حفاظت کی خاطر لیا جاتا تھا۔ حضرت خالد بن الولید کے اس معاہدہ میں جو انھوں نے قس الناطف کے والی سے کیا تھا بوضاحت درج ہے:-

”میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں کہ جزیہ لوں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا..... اگر ہم تمہاری حفاظت کریں تو ہمیں جزیہ وصول کرنا ہوا ہے۔ بصورت دیگر ہم جزیہ نہیں لیں گے تا آنکہ ہم تمہاری حفاظت کریں۔ چنانچہ جنگ یرموک سے کچھ پہلے جب مسلمان اپنے مفتوحہ علاقوں کو خالی کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے تھے تو حضرت خالد بن الولیدؓ نے محض والوں کی اور حضرت ابو عبیدہؓ نے دمشق والوں کی، اسی طرح تمام دیگر فوجی سربراہوں نے شام کے مفتوحہ علاقوں سے وصول شدہ جزیہ کی رقوم یہ کہتے ہوئے واپس کر دی تھیں کہ ہم نے یہ جزیہ تم سے اس شرط پر وصول کیا تھا کہ اس کے عوض ہم تمہاری حفاظت و حمایت کریں گے، لیکن سر دست ہم تمہاری حفاظت کی طاقت نہیں رکھتے لہذا یہ تمہارا مال تمہیں واپس کر رہے ہیں۔“

اسلام میں وصول کئے جانے والے جزیہ کو مفتوحہ اقوام کی مال و دولت کے استحصال یا ہوسوسہ سے کوئی دُور کا تعلق بھی نہیں، اس لئے کہ وہ نہایت قلیل مقدار میں صرف جنگ کرنے کی صلاحیت رکھنے والوں اور کام کاج کی قدرت رکھنے والوں (ہنرمندوں) سے لیا جاتا تھا، اور اس کے بھی تین مدارج تھے (۱) جزیہ کی بلند ترین مقدار اڑتالیس درہم سالانہ تھی جو امیروں سے لی جاتی۔ (۲) درمیانہ جزیہ کی مقدار سالانہ چوبیس درہم تھی جو متوسط تجارت و زراعت پیشہ لوگوں سے لی جاتی۔ (۳) جزیہ کی کمزیر مقدار بارہ درہم سالانہ تھی۔ یہ ہر سر روزگار پیشہ ور مزدوروں سے وصول کی جاتی تھی۔

جزیہ کی ان مختلف رقوم کو ذکوٰۃ کی اس رقم سے کوئی مناسبت نہیں جو خود مسلمان اپنے مال سے حکومت کو ادا کرتے جس کی شرح ڈھائی فیصد کے تناسب سے شرعاً مقرر ہے۔

خود یہ رعایت کہ فقیر، بچہ، عورت، راہب و گوشہ نشین عبادت گزار، نابینا، مرلین و ابا یح جزیہ سے مستثنیٰ ہیں اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ جزیہ کی وصولی میں استطاعت کی رعایت رکھی گئی ہے پھر اس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے تین مدارج میں تقسیم بھی یہ بتا رہی ہے کہ اس کی وصولی میں کوئی تشدد یا تنگی نہیں ہوتی۔ قس الناطف کے والی سے حضرت خالد بن الولیدؓ کے معاہدہ میں بتصریح مذکور ہے:-

”میں تم میں کے ہر ذی استطاعت سے جزیہ لینے اور تمہاری حفاظت کرنے کا معاہدہ کرتا ہوں، تو نگر سے اس کی حیثیت کے مطابق اور عزیب سے اس کی حیثیت کے مطابق“

صرف اسی پر اکتفا نہیں، اسلام نے جزیہ ادا کرنے والوں کو فوجی خدمت سے بھی معافی دے دی ہے۔ اگر کوئی ذمی رضا کارانہ اسلامی لشکر میں شرکت قبول کر لیتا ہے تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ جس کا مطلب ہمارے موجودہ زمانہ میں یہ ہوا کہ جزیہ فوجی خدمت کا نقد معاوضہ ہے۔

اسی طرح اسلام تنگ حال محتاج ذمیوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی لیتا ہے، اہل حیرہ کے ساتھ حضرت خالد بن الولید نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں درج ہے :-

”جو شخص بھی اس درجہ کمزور ہو جائے کہ کام نہ کر سکے یا معذور و اباہج ہو جائے یا تو نگر کی کے بعد اس حد تک فقیر ہو جائے کہ خود اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس سے جزیہ ختم کر دیا جائے گا، نیز اسے اور اس کے عیال کو مسلمانوں کے بیت المال سے گزر بسر کے لئے وظیفہ دیا جائے گا“

واضح رہے کہ جزیہ فرض کرنے میں تذلیل و تحقیر کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ اور قرآن مجید کی جزیہ والی آیت میں جو صاغِرُونَ کا لفظ آیا ہے کہ :-

حَتَّىٰ يَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ۔  
 ”تا بعداری اختیار کر لیں۔ (التوبة: ۲۹)“

تو اس سے مراد ہے اطاعت قبول کر لینا اور اسلامی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لینا، اس لئے کہ ”صغار“ کے معنی لغت میں حضور اور جھک جانے کے ہیں، اسی سے بچے کو ”صغیر“ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کا اطاعت شعار اور بڑوں کے سامنے عاجز مندانہ فرمانبردار رہتا ہے۔ گویا الفاظ دیگر جزیہ ادا کرنے کے معنی ہیں ذمیوں کا حکومت سے وفاداری کا عہد، جس طرح حکومت اس کے عوض ان کی نگرانی و حفاظت کا انتظام اور ان کے عقائد کا احترام کرے گی۔

پورے قرآن مجید میں ایک آیت بھی صراحتاً یا کنایہً اس معنی میں نہیں ملے گی کہ اسلام میں جنگ اس غرض سے فرض کی گئی ہے کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

مسلمانوں کو غیر مسلمانوں سے کس طرح بڑاؤ کرنا چاہیے اس کے بارے میں قرآن مجید میں یہ واضح لخص ہے :-

لَا يَنْهَاكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ

اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی انصاف اور احسان کرنے



فی الدین ولم یخیر جو کم من دیار کم  
ان تدرؤهم وتقتطوا الیہم ان اللہ یحب  
المقسطین ۵ انما ینہا کم اللہ عن الذین  
قاتلوکم فی الدین و اخر جو کم من دیار کم  
وظاہر واعلیٰ اخر حکمان تو لوہم و  
من یتولہم فاولئک ہم الظلمون۔

(الممتحنہ: ۹۰۸)

نیز ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل آیت کریمہ :-

الیوم احل لکم الطیبات وطعام  
الذین اتوا الکتاب حل لکم وطعامکم  
حل لہم والمحصنات من المومنات  
والمحصنات من الذین اتوا الکتاب من  
قبلکم اذا آتیتم اجورہن محصنین  
غیر مسافین ولا متخذی اخدان و  
من یکفر بالایمان فقد حبط عملہ و  
ہو فی الآخرة من الخاسرین۔

(المائدہ: ۶)

ان آیات سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں (اہل کتاب) سے تعلق بھلائی، نیکی، انصاف اور تعاون کی بنیادوں پر استوار ہو گا نیز یہ کہ مسلمان ان سے سمدھیانہ رشتہ بھی قائم کر سکیں گے (یعنی ان کی لڑکیوں اور بیٹیوں سے نکاح کر سکیں گے)۔

سے نہیں روکنا جنہوں نے تمہارے دین کی وجہ سے تم سے جنگ  
نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے باہر نکالا۔ بے شک  
اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تو تمہیں  
ان لوگوں کی دوستی سے روکتا ہے جنہوں نے دین کی وجہ سے تم  
سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہیں  
نکالنے میں تمہارے مخالفوں کی مدد کی، ایسے لوگوں سے جو  
دوستی رکھے گا تو وہی ظالم ہوں گے۔

آج تمہارے لئے خوشگوار و پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں  
اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان  
کے لئے حلال ہے۔ اور ایمان والی پاک دامن عورتیں، اور وہ  
تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان کی پاک دامن عورتیں  
تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم نکاح کے ذریعہ انہیں اپنی  
حفاظت میں لے کر انہیں ان کے مہر دے دو اور ان سے  
بدکاری یا پوسٹنڈیہ جنسی تعلقات قائم کرنے کے خواہشمند  
نہ ہو۔ اور جس نے ایمان کا حق ادا نہ کیا تو اس کے عمل اکارت  
گئے اور وہ آخرت میں گھانا پانے والوں میں سے ہو گیا۔

